ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

غلام عباس
لیکچرر اُردو، گورنمنٹ گریجوئیٹ کالج، تونسہ، ضلع ڈیرہ غازی خان
اسکالر پی۔ایچ۔ڈی اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اُردو تنقید پر محمد حسن عسکری کے اثرات

Ghulam Abbas
Lecturer Urdu, Govt Graduate College, Taunsa, Distt: Dera Ghazi Khan/ Ph.D research scholar Department of Urdu AIOU Islamabad.

Impacts of Hassan Askari on Urdu Criticism

Muhammad Hassan Askri is one of the key figures in Urdu literature. He cannot be ignored even in Urdu criticism. His criticism is a noble example of unusual critical insights and profound literary taste of twentyth century. His sphere of critical insights is noteworthy. He always opens new ways of discussion in the issues whether cultural or mystic, poetry or philosophy, art or literature and even in music. In this way, he has provided new information to new generation. His criticism influences the readers to the depth. His perceptions kept on changing and this has been considered as positive and accepted. So we can find the reaction of thoughts in his criticism. It is also true that the works against or in favour of his work is more than his original work. In this article views of a few leading and influential critics who subjected his scope of ideas, have been discussed.

Key Words: *Urdu Literature, Criticism, Insights, Literary, Discussion, Cultural, Mystic, Philosophy.*

اردو ادب کے منفرد نقاد و ادیب محمد حسن عسکری نے ۵ نومبر ۱۹۱۹ء (۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ) ضلع میرٹھ (اترپردیش) کے ایک قصبے "سراوہ" میں جنم لیا۔ آپ کا تاریخی نام "محمد اظہار الحق" تھا۔ لیکن اس نام سے تعارف ہر گز نہ تھا۔ نہایت قریبی اور چند ایک عزیز شاگردوں کے علاوہ شاید ہی کسی کو معلوم ہو کہ اردو ادب کا یہ درخشندہ ستارہ محمد حسن عسکری کے علاوہ کوئی اور نام بھی رکھتا ہے۔ گھر میں والدہ انھیں "بھولے میاں" سے بلاتی تھیں[(۱)]

محمد حسن عسکری بلاشک و شبہ جدید اردو ادب کی اہم شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ تنقید میں انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی تنقید بیسویں صدی کے اردو ادب میں گہرے علمی انہماک اور غیر معمولی تنقیدی بصیرت کی نادر مثالیں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

فراہم کرتی ہے۔ عسکری صاحب کی تنقید کے موضوعات کا پھیلاؤ دیدنی ہے: تہذیبی مسائل ہوں یا تصوف، شاعری ہو یا افسانوی ادب، مصوری ہو یا موسیقی، فن تعمیر ہو یا فلم اور فوٹو گرافی، عسکری صاحب کا زیرک ذہن ہمیشہ نئے مباحث پیدا کرتا رہا اور یوں ایک پوری نسل کو ادب کے بارے میں نئی معلومات فراہم کیں اور آج ان کی وفات کے ربع صدی بعد بھی ان کے تنقیدی خیالات پر بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کی اہم وجہ حسن عسکری صاحب نے اپنی زندگی میں ادبی اور فنی مسائل پر بڑے مدلل و مبسوط انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ وہ اپنی زندگی میں بھی اپنی تحریروں سے لوگوں کے ذہنوں میں فکری تموج پیدا کرتے رہے ہیں اور آج بھی ان کی تحریریں اپنے قارئین کو اکساتی رہتی ہیں کہ وہ ان کے بارے میں کچھ ضرور کہیں۔ عسکری صاحب کی مختلف اوقات میں ارا تبدیل ہوتی رہیں ہیں اور ان فکری تبدیلیوں کو حسن عسکری مستحسن تصور کرتے ہوئے کھلے دل سے تسلیم کرتے آئے ہیں؛ وہ اس تبدیلی کو زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پچھلے باب میں ان کی اس تبدیلی کو تفصیل سے زیر بحث لایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی خیالات کا ردعمل بھی شدید انداز میں سامنے آیا۔ یہ درست ہے کہ حسن عسکری معدودے ان چند نقادوں میں ہیں کہ جن کی حمایت اور مخالفت میں لکھی گئی تحریروں کی مقدار خود ان کی اپنی تحریروں سے زیادہ ہے۔

عسکری صاحب کی تحریروں سے طرح طرح کے ردعمل پیدا ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے کہ انھوں نے جس موضوع پر قلم فرسائی کی ہے تو پوری ایمان داری، لگن اور سب سے بڑی بات یہ کہ فیشن اور مروجہ تصور کو اپنے ذہنی خانوں سے نکال کر خالص اپنے محسوسات کو زیر بحث لاتے ہوئے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ بھلا جو آدمی خود تسلیم کرتا ہو کہ "اگر نئے تجربات کا تقاضا ہو تو میں اپنی رائے بڑی بے شرمی سے بدل دیتا ہوں۔"[۲] یہی وجہ ہے کہ اردو کے ہر قابل قدر نقاد نے عسکری صاحب سے اخذ و استفادہ کیا ہے جن میں درج ذیل نقاد خصوصیت کے ساتھ شامل ہیں۔

سلیم احمد، مظفر علی سید، ممتاز شیریں، سجاد باقر رضوی، شمیم احمد اور جمال پانی پتی، سراج منیر، تحسین فراقی، شمس الرحمن فاروقی، شمیم حنفی، اور ابو الکلام قاسمی، سبط حسن، ممتاز حسین، شہزاد منظر اور محمد علی صدیقی۔

لیکن ہم یہاں تحدید کے پیش نظر عسکری صاحب کے تصورات کی توسیع کے اس باب میں صرف ذیل کے اہم اور سر کردہ ناقدین کی تنقیدی کاوشوں کو زیر بحث لائیں گے: سلیم احمد، مظفر علی سید، ممتاز شیریں، سجاد باقر رضوی، شمیم احمد، جمال پانی پتی، سراج منیر کی تنقیدی کاوشوں اور ان پر حسن عسکری کے اثرات کے جائزے تک محدود رہیں گے۔

سلیم احمد:

۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء کو کھیولی ضلع بارہ بنکی بھارت میں پیدا ہونے والا سلیم احمد، جس کے والد گرامی ۱۹۳۶ء میں جب آپ کی عمر محض نو سال تھی، فوت ہو گئے۔ آپ لڑکپن سے ہی ذہین، نڈر اور بے باک تھے۔ آپ کی تربیت ماں کے علاوہ دو شخصیتوں کا بڑا اہم کردار ہے۔ سلیم احمد کے استاد کرار حسین صاحب ہیں جنھیں وہ اپنا آئیڈیل مانتے ہیں ان کے خیالات اور

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

نظریات، ان کی سیرت اور کردار کا اپنی زندگی پر گہرا اثر پاتے ہیں اور دوسرے استاد محترم پروفیسر محمد حسن عسکری کا جنھیں وہ سمجھتے ہیں:

"میرے چاروں طرف اندھیرا ہو تو عسکری میرا روشن چراغ ہیں۔ میں زخم کھا کر بھاگتا ہوں تو انھیں کی طرف کہ وہ میرے ہر زخم کا مرہم ہیں۔ میں مایوس ہو کر پلٹتا ہوں تو انہی کی طرف کہ وہ میری امید ہیں، میری روح کا آسرا ہیں۔ اپنی طویل نظم 'مشرق' میں وہ ان سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

یہ صاحب وہ ہیں جن کی اک ضرب کاری
قلم کے ہزاروں حریفوں پہ بھاری
غلامی میں ان کی کٹی عمر ساری
وہ میرے صنم ہیں میں ان کا پجاری
وہ گر مو قلم ہیں تو تصویر ہوں میں
انہی کی لکھی ایک تحریر ہوں میں "(۳)

سلیم احمد کو کو یہ احساس ہے کہ عسکری صاحب پر اگر وہ کچھ لکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس عسکری صاحب نے ان جیسے چھوٹے آدمی کو بھی وہ خود اعتمادی عطا کر دی جس کے بغیر کچھ لکھنا تو کیا زندہ رہنا بھی مشکل تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ جب سلیم احمد نے "حریت" میں اپنا کالم "جھلکیاں" کے عنوان سے شروع کیا تو اعتراض ہوا کہ یہ عنوان تو عسکری کا ہے جس پر سلیم احمد نے جواب دیا تھا کہ ایک عنوان ہی کیا میرا تو سارا ہی ادبی مال عسکری صاحب کا دیا ہوا ہے۔ اور پھر یہ کہ میں تو عسکری صاحب کے بغیر ادب میں ایک نوالہ نہیں توڑ تا۔ اور پھر جب سلیم احمد ابتدا میں جوش اور اقبال کے زیر اثر نظم گوئی کی طرف مائل تھے تو بہ قول جمیل جالبی عسکری صاحب کے کہنے پر غزل گوئی کی طرف اس شعوری منشور کے ساتھ آئے کہ "اردو شاعری کے مختلف اسالیب اور رنگوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کیا جائے کہ اردو کے تمام غزل گو شعرا کی آواز سلیم احمد کی غزل کا حصہ بن جائے"[۴] جس پر بہت سے لوگوں نے سلیم احمد پر یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ ان کی خود کی ادبی حیثیت کچھ نہیں ہے ان کی شخصیت عسکری کی شخصیت سے الگ نہیں کی جاسکتی۔

سلیم احمد کے اسلوب کو دیکھیے تو واضح پتا چلتا ہے کہ انھوں نے عسکری صاحب کے اسلوب کو اپنانے کی شعوری کوشش کی ہے، خصوصاً سلاست اور شگفتگی کا معیار سلیم احمد کے یہاں عسکری صاحب سے زیادہ مماثلت رکھتا ہے۔ واضح اور دو ٹوک انداز بیان میں بڑی حد تک یکسانیت دیکھی جاسکتی ہے۔ ادب برائے ادب کے بھی سلیم احمد قائل نظر آتے ہیں لیکن عسکری صاحب کی طرح ایسے ادب برائے ادب کے جس میں حقیقی زندگی کی مکمل عکاسی ملتی ہو۔ عسکری صاحب کی طرح میر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اور فراق دونوں کو پسند کرتے ہیں۔ سر سید احمد خان اور حالی کی جدیدیت پر عسکری صاحب کی طرح شدید اعتراضات اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ ابن العربی کا گہرائی سے مطالعہ ہو یا فرانسیسی عالم رینے گینوں سے دلچسپی یقیناً عسکری صاحب کے زیر اثر سلیم احمد کے ہاں پیدا ہوئی۔ ترقی پسندوں کی کھلی اور بے طرح مخالفت بھی اسی ذیل میں رکھی جا سکتی ہے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی نظریہ پاکستان کی شد و مد سے حمایت، اسلامی ادب / پاکستانی ادب کے مباحث بھی عسکری صاحب کے تصورات کی اثر پذیری کی مثالیں کہی جا سکتی ہیں۔

اب ان باتوں کی وضاحت کے لیے ہم سلیم احمد کی تنقید سے براہ راست جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ "غالب کون" لکھتے ہوئے میر کی یاد کم نہیں ہوتی اور اس کتاب کا انتساب "خدا سخن میر تقی میر کے نام" کرتے ہوئے غالب کے ناسخ کی ہمنوائی والے مصرعے سے کیا۔

ع آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

میر کے ساتھ عسکری صاحب کو بھی نہیں بھولے

"محمد حسن عسکری کہ اردو کے پروفیسروں سے بہت چڑھتے ہیں اور آج کل مغرب کے ادیبوں سے بھی تپے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ہر کس و ناکس یہاں تک کہ رسل صاحب کو بھی غالب پر بولتے سنا تو ایک بار پھر پوچھ لیا، غالب کون؟ ایسی فضا میں جب غالب کی شہرت برصغیر پاک و ہند کے گلی کوچوں سے نکل کر یورپ اور امریکا کے بازاروں اور چین اور روس کے مکینوں تک پہنچ چکی ہے، اور لوگ بزعم خود ہر سوال کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ لوگوں کو عسکری کا استفسار اتنا برا معلوم ہوا کہ چہرے بگڑ گئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سوال اتنا ہی سچا ہے جتنا غالب کی زندگی میں تھا اور یقینا غالب کی صد سالہ برسی پر یہ برمحل پوچھا گیا۔ عسکری کے سوال کو دو سال اور روح عصر کے سوال کو سوا سو سال ہو چکے ہیں، اس لیے مزید تاخیر مناسب نہیں، ہمارا جواب حاضر ہے۔"(۵)

ابتدائیہ میں سلیم احمد نے عسکری صاحب کی شخصیت کو اپنی ذہانت و فطانت، علمیت اور بصیرت، گہرائی اور گیرائی، وسعت و عظمت کے لحاظ سے جدید اردو ادب میں ایک نادر و نایاب چیز قرار دیا ہے۔ سلیم صاحب سمجھتے ہیں کہ انسان کیسے حقیقی معنوں میں انسان بنتا ہے۔ انسان کے باہمی رشتے کیا ہیں۔ اور پھر کائنات میں انسان کا مقام کیا بنتا ہے، ان سب کا جیسا شعور حسن عسکری کو تھا اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ اور جو کچھ عسکری نے لکھا وہ اسی شعور کی دین ہے سلیم احمد لکھتے ہیں:

"ایسا لگتا ہے جیسے محمد حسن عسکری نے اپنی روح کو انسانیت کی تجربہ گاہ بنا لیا تھا اور اس کے اندر بیٹھ کر وہ ہر وقت یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ انسانی ہستی اپنی تمام قوتوں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اور کمزوریوں کے ساتھ کیا چیز ہے اور کائنات میں اس کا مقام اور تقدیر کیا ہے۔ یہ سوال ایسے نہیں ہیں جو ہر کس و ناکس کو سڑک پر پڑے مل جائیں۔ عسکری کے یہ سوال خود عسکری کے تجربات سے پیدا ہوئے تھے، اور ان کا جیسا جواب عسکری نے دیا ہے وہ عسکری کے سوا اور کوئی نہ دے سکتا تھا۔"(۶)

عسکری صاحب جن باتوں کو اشاروں کنایوں میں کرتے ہیں ان کی بڑی تفصیل سے وضاحت سلیم احمد کرتے ہیں اور حتیٰ کہ عسکری پر اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات بھی سلیم احمد دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی وہ حالی صاحب کے تصورات کا ایک خاکہ بناتے ہیں پھر اس کی خامیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ مثلاً حالی صاحب نے کہا ہے کہ "غزل اب تک عشقیہ جذبات کی ترجمانی کرتی رہی ہے" اب غزل میں عشقیہ جذبات کا خاتمہ ہونا چاہیے اور وہ قوم کی بد حالی کے تدارک کے لیے سرگرم رہے۔ لیکن حالی صاحب نے تغزل کو برقرار رکھنے کی پرزور حمایت کی ہے۔ اس ساری بحث کی ہم سلیم احمد کی زبانی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

"حالی نے دو نسخے تجویز کیے۔ پہلا نسخہ ڈراوے کا تھا۔ یعنی حالی نے "اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا" والی مسلسل غزل لکھ کر انھیں بتایا کہ عشق سے افراد اور اقوام کو کیا کیا نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ دوسرا نسخہ شرافت کا تھا۔ یعنی اگر آپ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود اس موذی مرض سے نجات حاصل نہیں کر سکتے تو کم از کم شرفا میں بیٹھ کر اس سر مکتوم کو فاش کر کے اپنی تنگ ظرفی اور بے حوصلگی کو ظاہر نہ کیجیے حالی کے اس دوسرے نسخے نے "نئی غزل" کو بڑی تقویت پہنچائی، اور رفتہ رفتہ ایسے شریف شاعروں اور ادیبوں کی تعداد روز بہ روز بڑھنے لگی جنھوں نے ذاتی تجربے کو ادب سے نکال پھینکا اور شریفانہ جذبات کے اظہار کو ادب پرستی، انسانیت دوستی، اور تہذیب پروری کا مظہر سمجھ لیا۔ فسادات کا مقبول و معروف ادب حالی کی اس معنوی اولاد نے پیدا کیا۔"(۷)

سلیم احمد کا خاصا یہ رہا ہے کہ انھوں نے اپنی تنقید کو "تخلیقی تنقید" کے رنگ میں پیش کیا۔ پاکستانی ادب اور تہذیب کے تصورات کو شدتِ جذبات سے سلیم احمد نے برتا ہے اور یوں ان کے خیال اور فکر ان کے جذبے سے گھل مل کر ایک ہونے سے بہ قول تحسین فراقی صاحب ان کی تنقید تہذیب بن گئی ہے۔ ایسی تنقید کے نمونے ان کے پاکستانی ادب / اسلامی ادب کے مضامین میں جا بہ جا دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ تصورات حسن عسکری صاحب کے تتبع میں سلیم احمد اپنی تنقید میں زیر بحث لائے مگر سلیم احمد کی جولانی طبع کورانہ تقلید کی عادی ہرگز نہیں ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی تنقید کو "ذاتی تجربے اور باطنی مشاہدے کی سان پر کسا اور پھر اسے رد و قبول کے مرحلے سے گزارا۔ افکار کی حیثیت ان کے نزدیک

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

مقدس گائے کی نہیں تھی وہ انھیں ذات کی کٹھالی میں ڈال کر اور اپنی خودی کے تیزاب کا چھینٹا دے کر اس کے کھرے کھوٹے کا تجزیہ کرتے تھے۔"(۸)

مظفر علی سید:(٦ دسمبر ۱۹۲۹ءامر تسر، ۲۸ جنوری ۲۰۰۰ءلاہور)

مظفر علی سید اردو تنقید کا ایک قابل ذکر نام ہے۔ آپ نے اپنی قلمی زندگی کا آغاز قیام پاکستان کے ابتدائی ایام سے شروع کیا اور زندگی بھر ادب و تنقید وابستہ رہے لیکن حیران کن طور پر آپ کی تنقیدی کاوشوں میں صرف ایک کتاب "تنقید کی آزادی" ۹۰ء کی دہائی میں منصہ شہود میں آئی، تاہم آپ کے تنقیدی و تہذیبی مضامین، مقالات خطابات اور تبصرے اردو اور انگریزی اخبارات و رسائل میں تسلسل سے چھپتے رہے ہیں۔ آپ کو بیک وقت کئی زبانیں جاننے، سمجھنے کا ملکہ حاصل تھا اور مشرق و مغرب کے شعر و ادب سے براہ راست واقفیت نے آپ کو ایک اہم نقاد بنا دیا۔ عسکری صاحب سے فکری وابستگی بھی آپ کی تنقید کا نمایاں پہلو ہے۔ آپ کی تنقید کا سب سے اہم عنصر آپ کی بے باکی ہے؛ آپ اپنے مکتبہ فکر کے ناقدین اور دوستوں پر بھی غیر جانب دارانہ ارا کا اظہار ایک مہذب اور اچھے اسلوب میں کرتے ہیں۔

مظفر علی سید کا اسلوب گواہی دیتا ہے کہ وہ عسکری صاحب کے اسلوب کو شعوری طور پر اپنی تحریروں میں اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک اور خصوصیت کہ بے باک اور بے لاگ تبصرے اور تجزیے ان کی تنقید کی نمایاں خصوصیت ہے جو عسکری صاحب کی ممتاز صفت میں سے ایک تھی۔ سید صاحب کی تنقید مکمل مداحی کبھی نہیں بنتی وہ اپنے ممدوح کی خوبیوں کے ساتھ ان کی خامیوں کو بھی مد نظر رکھتے ہیں چاہے ان کا ممدوح سلیم احمد یا خود عسکری صاحب ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے ہاں جانب داری کا عنصر بہت کم ہے اور اتنا کم ہے کہ ہم سلیم احمد کو اپنے مضامین میں جابجا جانب دارانہ رویے کو محسوس کرتے ہیں اور عسکری صاحب کے ہاں بھی یہ عناصر ڈھونڈے جاسکتے ہیں لیکن سید صاحب کے ہاں ایسا شاذ و نادر ہے۔ سید صاحب کی بے باکانہ طرزِ تحریر دیکھنے کے لیے ہم ان کے ممدوح عسکری صاحب کے حوالے سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں کہ جس میں وہ ان کی علمیت، ادب فہمی کی داد تحسین دینے کے ساتھ ساتھ عسکری صاحب کی یک طرفہ شدت پسندی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں:

> "اپنی نسل کے پیشتر ادیبوں کی طرح انھوں نے بھی نئے نسل کی ساخت پر داخت اور ہمدردانہ افہام و تفہیم کی جگہ کبھی ان سے اردو شاعری کے ناصح اور کبھی محبوب کا رویہ اختیار کرنا پسند کیا بل کہ وہ تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے نکلے اور نئی نسل جہاں کہیں کی بھی ہو، امریکہ کی ہو یا انگلستان کی، سب ان کو ہیچ نظر آئی۔ کولن ولسن، فرانسوا ز ساگاں اور نور من میلر کو تو وہ نو آموز سمجھتے ہی تھے مگر ڈلن ٹومس ایسے شاعر سے بھی انھیں کوئی رغبت نہ ہوئی، حالاں کہ کتنے نوجوان ادیب یہاں اور وہاں ایسے تھے جن سے ان کا رشتہ نکلتا تھا۔ ان کا کوئی قصور تھا تو

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

یہ کہ نوجوان ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے ان سب کو اور ان کے علاوہ بہتوں کو ضرور پڑھا ہو گا مگر شاید ان تک پہنچتے پہنچتے ان کا حوصلہ اور اور ان کی بصیرت ان کے مطالعے سے بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

ترقی پسند تحریک پر ہلہ بولنے کے بعد خدا جانے کیا خیال آیا کہ ایٹم بم کی باتیں کرنے لگا امریکی نظام اور یونیسکو کی سرگرمیوں کو اپنے طنز کی زد میں لے آئے شاید یہ خوف پیدا ہوا کہ روس کے مخالفوں کے ایجنٹ نہ سمجھ لیے جائیں۔"[۹]

ممتاز شیریں (۱۲ستمبر ۱۹۲۴ء ہندوپور تا ۱۱مارچ ۱۹۷۳ء اسلام آباد)

ممتاز شیریں علمی ماحول میں پرورش پانے والی انتہائی معتدل مزاج خاتون ادیب ہیں جنھوں نے اپنی گھریلو اور ادبی زندگی میں حیران کن توازن پیدا کر لیا تھا۔ شیریں صاحبہ نے بھرپور ادبی زندگی گزاری۔ افسانہ لکھنے کے ساتھ اس صنف پر معیاری تنقید بھی آپ نے لکھی ہے۔ دوسری زبانوں کے افسانوی ادب کے کچھ حصے اردو میں ترجمہ بھی کیے۔ انگریزی زبان میں بھی اعلیٰ معیار کی ادبی، تنقیدی اور تخلیقی کاوشیں، آپ کا ایک قابلِ قدر کارنامہ ہے۔

ادب اور زندگی کے تعلق کے بارے میں بھی ممتاز شیریں بہت واضح انداز سے کہتی ہیں کہ یقیناً ادب کا تعلق زندگی سے ہے۔ اس پہلو سے بھی وہ ترقی پسندوں کی سوچ سے مختلف زاویہ نگاہ رکھتی ہیں اور حسن عسکری کے زیادہ قریب ہیں۔ انھیں ترقی پسند تحریک کا یہ کہنا کہ ادب زندگی کا ترجمان ہونا چاہیے محض ایک نعرے سے زیادہ کچھ نہیں لگتا۔ وہ سمجھتی ہیں کہ ان کے ہاں زندگی کا صرف ایک پہلو ہی دیکھا جا سکتا ہے جب کہ حقیقی زندگی اور اس کے بیشتر پہلوؤں کو ادب میں جگہ نہیں دی جاتی۔ وہ ادب میں سیاست کی بھرمار کو بھی برا سمجھتی ہیں لیکن ادب اپنے عہد کے تقاضوں سے غافل بھی نہیں رہ سکتا۔ اسی سیاسی و سماجی شعور کے حوالے سے ان کا یہ اقتباس لائق توجہ ہے:

"ادب کا تعلق زندگی سے ہے۔ سیاست زندگی کا صرف ایک جزو ہے۔ زندگی کے ایک شعبے کی حیثیت سے ادب میں سیاست کا بھی گزر ضرور ہے یہاں ادب کو سیاسی نہ بنانے سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ ادب محض کسی آئیڈیالوجی کا آئینہ یا کسی سیاسی پارٹی کا آلہ کار بن کر نہ رہ جائے۔ یہ بھی نہیں کہ ادب کا سیاست سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ یہ عجیب و غریب اور احمقانہ بات ہو گی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس موجودہ دور میں جب دنیا تہہ و بالا ہو رہی ہے، ادب کسی گوشے میں چھپ کر پناہ لے سکے گا۔ آج ادب گوشہ فراغت میں پناہ نہیں لے سکتا۔ اہم معاشرتی اور سیاسی مسئلوں سے گریز ناممکن ہے۔ ایک ادیب کے لیے سماجی اور سیاسی شعور لازمی ہے موجودہ دور میں بڑا اہم مسئلہ ادیب کے سامنے یہ ہے کہ اس کا اپنے معاشرے سے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کیا رشتہ ہے؟ خصوصیت سے ان تحریکات کا کیا رشتہ ہے جو موجودہ نظام کو بدلنا چاہتی ہیں۔ ادیب کا سماجی اور سیاسی شعور اس وقت بیدار ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ایک ادیب، ایک دانش ور کی حیثیت سے اپنے آپ کو سیاست میں اس طرح ضم نہیں کر سکتا جیسے کہ خالص سیاسی پارٹیوں کے ممبر کرسکتے ہیں فن کار کی آزاد اظہار کی خواہش اور سیاسی پارٹیوں کا محکوم بنادینے والا جبر اور احتساب! ٹریجیڈی اسی تضاد کی ہے۔"(۱۰)

ممتاز شیریں ادیب کی آزادی فکر کی بڑی حد تک قائل ہیں۔ لیکن پاکستانی ادب کے حوالے سے وہ بھی حسن عسکری صاحب کی ہم خیال ہیں۔ انھوں نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ ایک نئے ملک کے تقاضوں کو ادیب مد نظر رکھیں۔ وہ پاکستان کے قیام اور پھر ہجرت، جلا وطنی، اپنے عزیزوں کی موت اور جدائی وغیرہ کو ایک روحانی تجربے کے طور پر قبول کرتی ہیں۔ اور پاکستان کے ساتھ اپنی بھرپور وابستگی کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد اب اس کے استحکام، ترقی اور تعمیر میں ادیب بھی اپنا حصہ اپنی تحریروں میں ملی شعور پیدا کر کے ڈالیں۔ پاکستان سے اسی دلی لگاؤ کے باعث انھوں نے محمد حسن عسکری کے زیر اثر پاکستانی / اسلامی ادب کی تحریکوں کا بھرپور ساتھ دینے کی حامی بھری تھی۔ لیکن ملک کی محبت اور اس حمایت کے باوجود بھی وہ ادیب کی ذہنی آزادی کی بھی قائل ہیں اور کسی سیاسی دھڑے بندی کو معیوب سمجھتی ہیں تو ساتھ ہی حکومت کی مداخلت کو بھی برا تصور کرتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کا ذیل کا اقتباس بڑا اہم ہے وہ لکھتی ہیں:

"ادیب کا کام دھڑے بندی اور اختراپردازی نہیں۔ سستے نعرے لگانا اور گالی گلوچ پر اتر آنا نہیں۔ ادیب کا کام لکھنا ہے۔ یہی اس کی سب سے بڑی ریاضت ہے۔ لیکن ذہنی آزادی کے بغیر یہ کام سر انجام نہیں پا سکتا۔ اس دور میں ذہنی آزادی پر حملے دو طرف سے ہو رہے ہیں۔ حکومت کے احتساب کا خوف تو ہے ہی، وہ جس خیال پر چاہے پابندی لگادے۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان میں تین چار افراد نے بااثر ذرائع اظہار پر مکمل تملیک اور اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔"(۱۱)

المختصر ممتاز شیریں صاحبہ اردو تنقید کا ایک معتبر و منفرد نام ہے۔ ان کی تنقیدی کاوشوں پر بجا طور پر محمد حسن عسکری صاحب کے اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ تنقید سے آگے انھوں نے عسکری صاحب کی تقلید میں عالمی ادب کے تراجم بھی کیے جن میں مغربی زبانوں کے تراجم بیشتر انگریزی زبان کی وساطت سے کیے۔ لیکن عسکری صاحب کے اثرات ہی تھے کہ انھوں نے بہ قول صمد شاہین کے: "انھوں نے ایک افسانہ براہِ راست فرانسیسی زبان سے "ریوالور" کے نام سے بھی ترجمہ کیا تھا۔"(۱۲) تراجم، افسانے اور تنقید میں اعلیٰ درجے کی کاوشیں آپ کی یادگار اور اردو ادب کی ثروت مندی کا باعث بنی ہیں۔

سجاد باقر رضوی (۴۔اکتوبر ۱۹۲۸ء ضلع اعظم گڑھ تا ۱۳۔اگست ۱۹۹۲ء لاہور)

سجاد باقر رضوی کا پیدائشی نام سید اولاد باقر تھا اور آپ اپنی عرفیت "نیر" کے نام سے گھر میں پکارے جاتے تھے۔ انٹر تک انڈیا سے تعلیم حاصل کی اور پاکستان کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے انگریزی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو بعد ازاں کراچی یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی اردو ۱۹۸۵ء میں کیا۔

آپ کچھ عرصہ لیکچرر انگریزی، یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور (۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۰ء) اور پھر اسسٹنٹ پروفیسر اردو بھی اسی یونیورسٹی میں تعینات رہے (۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۶ء) اس کے بعد آپ نے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو بھی اسی یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دیں۔

بھرپور علمی، تہذیبی، اور تخلیقی شخصیت ڈاکٹر سجاد باقر رضوی ایک روادار، تحمل مزاج، اخلاص اور انسان دوستی کے اوصاف سے متصف ایک بڑے ادیب تھے۔ آپ حقیقی معنوں میں وسیع المطالعہ آدمی ہیں اور ان کا مطالعہ محض ادب کے دائرے تک محدود نہیں تھا بل کہ فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، سیاسیات، تاریخ اور تصوف تک آپ کی واقفیت کافی سے زیادہ تھی۔ ساتھ ہی اردو اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

باقر صاحب نے جب تنقید کا آغاز کیا تو اس وقت ایک طرف ترقی پسندوں کا غلغلہ تھا دوسری طرف حسن عسکری صاحب کا توتی بول رہا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ایسے دور میں کوئی تنقید کی طرف آئے اور ان دونوں سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے اور یہی سب سجاد باقر رضوی کے ساتھ بھی ہوا۔ اگر باقر رضوی صاحب کی ادبی شخصیت پر نظر کیجیے تو ان پر تین اساتذہ کا خصوصی عکس دیکھا جاسکتا ہے یہ تینوں اشخاص اپنے علم و تجربے کے اعتبار سے تعلیم و تدریس اور ادب و تنقید کے میدان میں سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں پروفیسر کرار حسین، محمد حسن عسکری اور پروفیسر مجتبیٰ حسین کے نام شامل ہیں۔ انھی کے اثرات سے باقر صاحب نے اپنا فکری نظام ترتیب دیا کس سے کیا اکتساب فیض انھیں میسر آیا اس کے لیے ہم سہیل احمد کے اس اقتباس کو دیکھ لیتے ہیں:

> "اس نظام کی تشکیل باقر صاحب کے تین اساتذہ کے زیر اثر ہوئی۔۔۔ پروفیسر کرار صاحب سے باقر صاحب نے تہذیب کی اہمیت کا درس لیا۔۔۔ باقر صاحب کے دوسرے استاد جن کا ان پر گہرا اثر ہے، محمد حسن عسکری ہیں۔ عسکری صاحب سے ایک تو انھوں نے یہ سیکھا کہ تنقید کو قابلِ مطالعہ بھی ہونا چاہیے اور دوسرے ۱۸۵۸ء کے بعد اصلاحی اور افادی رجحانات کی جو مخالفت عسکری صاحب کے ہاں نظر آتی ہے، باقر صاحب نے اس سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔ ادب اور زندگی کو محض عقل پسندی اور محدود اصلاحی نقطہ نظر سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ چناں چہ باقر صاحب سرسید اور حالی کی عقلیت پسندی کے مقابلے میں اکبر الہ آبادی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کے تہذیبی احساس سے زیادہ دل چسپی لیتے ہیں۔ باقر صاحب کے تیسرے استاد مجتبیٰ حسین ہیں۔۔۔ بہر حال یہ تین استاد ہیں جن کے اثرات کے تحت باقر صاحب کا تنقیدی نظام بنتا ہے۔"(۱۳)

اپنے ابتدائی دور میں وہ ترقی پسند تحریک کے خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ لیکن باقر صاحب کی تنقید کا حقیقی دور جس نے باقر صاحب کو ایک وقیع اور بڑا نقاد بننے میں معاونت کی وہ ہے جب آپ محمد حسن عسکری کے توسط سے اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں انگریزی کے استاد مقرر ہو کر کراچی سے لاہور تشریف لائے۔[۱۴] کیوں کہ یہاں انھیں اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے ادیبوں کا ایک وسیع حلقہ میسر آیا اور حلقہ اربابِ ذوق کے ہفتہ وار جلسوں میں شرکت بھی آپ کی نظر میں وسعت پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

باقر صاحب کو حسن عسکری صاحب کے تلمذ کے طفیل بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ اگرچہ باقر صاحب مزاجاً عسکری صاحب سے بہت مختلف تھے کہ عسکری صاحب تو خاموش طبع، دروں بیں اور مجمع سے بھاگنے والے اور باقر صاحب تو ہر محفل کے روحِ رواں ہوتے، مجمع لگانے اور ہنگامہ پسند طبیعت کے مالک تھے۔ عسکری صاحب ترقی پسندوں کے کٹر مخالف اور باقر صاحب کو عام فیشن کے مطابق ترقی پسندوں کا ہمنوا سمجھا جاتا تھا[۱۵] لیکن اس تفاوت کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ عسکری صاحب نے انھیں جذب کر لیا۔

عسکری صاحب کے انھی اثرات کے سبب باقر صاحب کے دل میں بھی ان کی اہمیت پوری طرح راسخ ہو چکی تھی وہ آپ کی "جھلکیاں" کے شائع ہونے پر ایک مضمون بہ عنوان "عسکری صاحب کی "جھلکیاں""میں یوں رقم طراز ہیں:

"عسکری صاحب کے لیے محض یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ وہ اردو کے صاحبِ بصیرت نقاد اور ادیب تھے۔ اس بات کے اہل اور بہت سے لوگ تھے اور ہیں۔ جو بات عسکری صاحب کو سب سے زیادہ مختص کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ادب ان کا طرزِ حیات تھا۔ ایک عہد میں ادبی حوالہ ہی وہ حوالہ تھا جس سے وہ معاشرتی اور تہذیبی رویوں کی افہام و تفہیم کرتے تھے۔ ان کے عہد کی ادبی فضا نے، جو ہر قسم کے معاشرتی اور سیاسی جبر کے سامنے سینہ سپر تھی، انھیں پیدا کیا اور خود انھوں نے اس فضا کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی ادبی حوالے اور فنی نقطہ نظر عسکری صاحب کو ایک پوری تحریک کا حریف بنا دیا۔ ادبی بائیکاٹ، اخلاقی دباؤ، ہراساں کرنے کے منفی طریقے، کوئی چیز انھیں اپنے موقف سے ہٹا نہ سکی۔ مجھے وہ زمانہ اچھی طرح یاد ہے جب عسکری صاحب رجعت پسندی کے مترادف سمجھے جاتے تھے تاہم جب کسی

فرد واحد کے خلاف ایک پوری تحریک اٹھ کھڑی ہو تو تاریخ یہی بتاتی ہے کہ سچائی فرد کے ساتھ ہوتی ہے بڑے گروہ کے ساتھ نہیں۔"(۱۶)

شمیم احمد (۱۵مارچ ۱۹۳۳ء کھیولی بارہ بنکی۔۔۲۰جون ۱۹۹۳ء کراچی)

اپنے قلمی نام سید شمیم احمد سے معروف ہونے والے نقاد کی تنقیدی کاوشیں اردو تنقید میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ آپ کو بجا طور پر دبستان عسکری کا ایک اہم نام شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ ۲+۲=۵ ایک منفرد نام سے شائع ہوا۔

شمیم احمد صاحب خود کو عسکری صاحب کا ایک قاری مانتے ہیں اور ان سے اپنا سارا تعلق اپنے بھائی سلیم احمد کے توسط سے سمجھتے ہیں۔ انھیں لگتا ہے کہ سلیم احمد خوش نصیب ہیں جنھیں عسکری صاحب جیسے بڑے ادیب کی محبت میسر آئی۔ لیکن اس پر بھی وہ خود کو سلیم صاحب سے کسی قدر فائق گردانتے ہیں کہ سلیم تو ویسے بننے کی دھن میں لگے رہے جیسے اس کے استاد عسکری صاحب کی چاہ تھی جب کہ وہ ان بڑے لوگوں سے اختلاف ہی سے خود کو نکھارنے میں کامیاب ہوئے، ابتدا میں ان کا یہ اقتباس ہمیں شمیم احمد صاحب کے بعد کے خیالات کو سمجھنے میں معاون ہو گا:

> "ادب کے کے ایک طالب علم کی حیثیت میں عسکری صاحب کے تعلق سے مجھے سلیم صاحب پر ایک فوقیت حاصل ہے، وہ ان کے عزیز ترین شاگرد تھے انھوں نے ۳۷ سال وہ بننے کی کوشش کی ہے جو ان کے استاد کی کوشش تھی۔ مگر میں نے اپنے ۲۴ سال میں سے ۱۶ سال ان سے شدید اختلاف میں گزارے ہیں۔ شاید "شمیم صاحب" کا راز یہیں کہیں پوشیدہ ہے۔ انفرادی طور پر شاید میں نے ان کے خلاف سب سے زیادہ لکھا ہے۔ تحریر کی قدر و قیمت کی بات چھوڑ دیجیے۔ بھلا آفتابِ علم سے جہل کو کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ میری ادبی زندگی تین لکھنے والوں کی رہین منت ہے۔ فراق صاحب جن کی ہر تحریر میرے خون میں شامل ہے ان سے کہیں مجھے کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ مگر عسکری صاحب اور سلیم احمد صاحب سے تو میں نے اپنے پورے وجود کے ساتھ جنگ کی ہے۔ میرے ادبی وجود کا ہر ذرہ ان دونوں کے ادبی اور شخصی فیض سے ظہور میں آیا ہے۔ اور ذرہ کو اپنی پہچان کے لیے، کُل سے جنگ کرنی ہی پڑتی ہے۔ پھر عسکری صاحب کا تو یہ معاملہ تھا کہ ان کا اپنا وجود عالمی فکر کے باطن میں پوشیدہ صداقتوں اور اس کے عالم گیر سوالات سے پیکار میں مبتلا تھا۔"(۱۷)

شمیم احمد کہتے ہیں کہ ہم کسی لکھنے والے سے اس وجہ سے متاثر ہوتے ہیں کہ اس کی چند ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو دوسرے لکھاریوں سے مختلف ہوتے ہوئے بھی ادب کے مروجہ پیمانوں اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔ لیکن ان کا ماننا ہے کہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

عسکری صاحب اس کے بالکل برعکس ہیں "وہ کبھی اور کسی دور میں ادب کے مروجہ پیمانے پر پورے نہیں اترے بل کہ میں نے ہمیشہ انھیں ادبی دھارے کے مخالف سمت پیرتے ہوئے پایا۔"(۱۸) پہلے جب ترقی پسند تحریک نے ہندوستان بل کہ پورے برصغیر کی برق رو تبدیلی اور خواہشوں کی ترجمان بن کر ابھری تو سب اس سے متاثر ہوئے عسکری صاحب بھی اس سے خود کو نہ بچا سکے لیکن جلد ہی عسکری صاحب اپنی راہ الگ کرتے ہوئے اجتماعی زندگی، سماجی تجربات اور سماجی اداروں کے صرف نعروں سے ہٹ کر ان کی حقیقی معنویت کی طرف توجہ دلائی تو ساری تحریک ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی مگر عسکری صاحب اپنے کام سے عشق میں مصروف رہے، انھی باتوں سے شمیم احمد عسکری صاحب سے خود کو متاثر پاتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا ایک اور اقتباس مقتبس کیا جاتا ہے:

> "عسکری صاحب وہ واحد ادیب تھے جو ہمیشہ مروجہ دھارے کے خلاف تیرنے سے زندہ رہنے کی تقویت حاصل کرتے تھے۔۔۔۔ عسکری صاحب کی ذات ایک ایسے نڈر سپاہی کی ذات تھی جو کسی نظریے، کسی فارمولے، کسی رویے کی اسیر نہیں تھی اس کے ساتھ ہی وہ کسی ادبی تجربے اور کسی اسلوب میں ڈوبنے سے ذرا بھی نہیں گھبراتی تھی۔ گویا ان کی تحریریں ایک مستقل وجود رکھتی تھیں۔ جس کا انحصار اسی خارجی چیز پر نہیں ہے بل کہ ایک داخلی اور ذاتی صداقت پر تھا۔ یہ داخلی اور ذاتی صداقت ان کا اپنا اخلاقی اور روحانی وجود تھا۔ وہ آدمی کو، اجتماعی عمل کو، معاشرتی حقائق کو ایک اخلاقی نظام میں رکھ کر ہی دیکھ سکتے تھے، اس کے باہر نہیں۔ ان کے یہاں آدمی، اجتماعی عقیدہ اور ادب، مابعد الطبیات اور روحانیت سے کوئی الگ وجود نہیں رکھتا تھا انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی۔"(۱۹)

جمال پانی پتی (۱۵/جون ۱۹۲۷ء پانی پت تا ۲۰۰۵ء کراچی)

ادبی دنیا میں جمال پانی پتی کے نام سے شہرتِ عام حاصل کرنے والے گلزار احمد جن کا تخلص جمال تھا، بنیادی طور پر ایک اچھے شاعر تھے، لیکن تنقید نگاری میں قدم رکھنے کے بعد اسے اپنے لیے اپنا میدان بنالیا۔ لہٰذا آج جمال پانی پتی کو بطور نقاد ہی لوگ پہچانتے ہیں، اور یہی آپ کی وجہ شہرت ہے۔ شاعری کا درجہ تنقید سے افضل تصور کیا جاتا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اچھے بھلے نقاد اپنے آپ کو شاعر منوانے پر تلے ہوتے ہیں، چاہے اس سے ان کی جگ ہنسائی ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔ لیکن جمال پانی پتی صاحب کا کہنا ہے کہ انھیں عسکری اور رینے گینوں سے جو کچھ سیکھنے کو ملا ہے وہ اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے ان کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ اس کے مقابلے میں انھیں اپنی شاعرانہ حیثیت کے پس منظر میں چلے جانے کا کوئی زیادہ دکھ نہیں۔(۲۰)

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

حلیم الطبع، خلیق اور مشفق مزاج انسان، جمال پانی پتی ادب دوست اور ادب کے متعلق نہایت سنجیدہ رویہ رکھنے والے ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ فکری اعتبار سے آپ عسکری صاحب کے "دبستان روایت" سے وابستہ اور اس کے شارح اور نمائندے ہیں۔ بلاشبہ انھوں نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اس فکر کی تفہیم، تعبیر، توضیح اور تفسیر میں مخصوص کرتے ہوئے بسر کیا۔ ان کی تنقیدی کاوشوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس فکر کو اپنی بصیرت سے ہم آہنگ پاتے ہیں اور بڑے غور وخوض کے ساتھ اس فکری سلسلے کو قبول کیا ہے، اس کا اظہار ان کی شاعری اور تنقید دونوں میں نمایاں ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ اپنا نقطہ نظر نہیں رکھتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان تنقید عسکری صاحب کی اندھی تقلید ہر گز نہیں ہے، وہ بعض تصورات میں عسکری صاحب سے واضح اور قطعی اختلاف کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔

مشفق خواجہ نے جمال پانی پتی کی ان ہی تنقیدی خصائص اور ان کے رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "وہ حسن عسکری اور سلیم احمد کے دبستان روایت کے صرف و محض شارح نہیں ہیں، بل کہ خود بھی اس روایت کے ایک اہم اور صاحبِ بصیرت نمائندے ہیں۔ انھوں نے حسن عسکری اور سلیم احمد کے فکری اور تنقیدی سلسلہ کو آگے بڑھایا ہے۔ اُنھوں نے اپنے پیش رو ان دونوں نقادوں کے قائم کردہ بعض سوالوں پر از سر نو غور وخوض اور گفتگو بھی کی ہے اور اپنے عہد کے حوالے سے نئے سوالوں پر بھی سلسلہ فکر قائم کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کا کام گو کہ عسکری اور سلیم احمد کے تسلسل میں ہے لیکن اپنی قدر و قیمت رکھتا ہے۔"[۲۱]

سراج منیر (۱۹۵۱ء سید پور بنگلہ دیش تا ۱۹۹۰ء لاہور پاکستان)

نہایت قلیل عمر اور اردو تنقید میں بڑا نام پانے والے سراج منیر صاحب مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے ایک قصبے سید پور کے علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اسی قصبے سے حاصل کی لیکن اپنی گریجویشن کی ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور سے (۱۹۷۴ء) حاصل کی۔ اور بعد ازاں انگریزی زبان وادب میں ماسٹر بھی اسی کالج سے (۱۹۷۶ء) کیا۔

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں اردو تنقید کے نمایاں ترین نقادوں کا ذکر کیا جائے تو اس میں سراج منیر صاحب کا نام ضرور شامل ہو گا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے مختصر ترین دورانیے میں گراں قدر سرمایہ نقد وادب سے اردو تنقید بالخصوص اور اردو ادب بالعموم، کو ثروت مند بنانے میں اپنا بھرپور حصہ ڈالا ہے۔ اپنی تحریروں میں انھوں نے مذہب، تہذیب وثقافت اور فکر وادب کے جتنے سوالوں اور مباحث کو سمیٹا ہے، ان کے ہر پہلو کو اور ہر جہت کو جس خوب صورتی سے زیر بحث لایا گیا ہے بلاشبہ وہ سراج منیر کی ہوش مندی، نکتہ رسی، فکری پختگی اور بصیرت کا بے مثل اظہاریہ ہے۔

سراج منیر فکری رجحان کے لحاظ سے محمد حسن عسکری اور سلیم احمد سے متاثر ہیں اور ان کے کام کو آگے بڑھانے میں بھی کسی حد تک کامیاب ٹھہرے ہیں۔ عسکری صاحب نے اپنی تہذیب کے جن سوالوں کو تہذیب، فکر اور ادب کے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سانچے میں رکھ کر اٹھایا تھا سراج صاحب نے انھیں اسی سیاق و سباق سے جوڑ کر اپنی معاصر تاریخ و سیاست سے بھی آملایا۔[۲۲] عسکری صاحب کے اٹھائے گئے سوالات سراج صاحب کے عہد میں بھی اسی آب و تاب سے زیر بحث رہ کر اپنے ساتھ انسانی تجربے اور اس کے احساس کی ایک بڑی دنیا ہمارے شعور کے آفاق کو وسعت دیتی ہوئی سمٹ آئی ہے۔

عسکری صاحب پر ان کے مضمون "محمد حسن عسکری-- دینی روایت کا مفکر" اس مضمون میں سراج منیر نے عسکری صاحب کو ایک متنوع شخصیت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا تعارف حاصل کرنے کے لیے بھی ایک عمر چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی فکری تاریخ میں عسکری صاحب کے مقام کے تعین کے لیے خاصا وقت درکار ہے اور ابھی تو اس کا احساس بھی ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ وہ سمجھتے ہیں جیسے جیسے ان کی شخصیت کی جہتیں سامنے آتی جائیں گی تو ہی برصغیر کی مسلم تاریخ فکر کے معانی بدلتے اور آفاق وسیع ہوتے جائیں گے۔[۲۳] ان کے مطابق اردو تنقید نے اشیا کو استعارے میں ڈھال کر دیکھنا عسکری صاحب سے سیکھا ہے۔ یوں عسکری صاحب کو اس دور کے "روحانی اور فکری سفر کا استعارہ" بنا کر ان کو سمجھنے کی کوشش ہونی چاہیے اور یہ بھی دیکھا جانا چاہیے کہ موجودہ علمی صورت حال پر ان کے احسانات کیا کیا ہیں۔

سراج منیر نے عسکری صاحب کی معنویت سمجھنے کے لیے اس دور کی صورت حال کا جائزہ اپنے احساسات کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی اور اس بارے میں ان کی تفہیم کچھ یوں بنتی ہے کہ عسکری صاحب نے مشرقی اور مغربی تہذیب کو اپنی بساط بھر سمجھنے اور ان میں بہتر تہذیب کو اپنانے، یا اپنے معاشرے کے لیے اس تہذیب کے فوائد و نقصانات کو سامنے لانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جس وقت عسکری صاحب نے ادب میں قدم رکھا تو اس وقت مغربی تہذیب کے نمائندے برصغیر کی حد تک تو انگریز ہی سمجھے جاتے تھے۔ روسی مصنفوں کے حوالے بھی آنے لگے تھے لیکن انگریزی طرز فکر اپنی مخصوص دلچسپیوں کی بنا پر نمایاں تھی۔ اور پورے ہندوستان کی نئی علمی اور فکری فضا پر غلبہ حاصل کر چکی تھی۔ بالعموم مرعوبیت کی ذہنیت پھیلتی جاتی تھی کیوں کہ انگریز اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے وہ ایسا ماحول پیدا کرنے کے لیے کوشاں تھے اور یہ چیز مقامی روایتوں مسخ کرتی چلی جا رہی تھی۔

اس مایوس کن صورت حال میں مسلمانوں اپنی دینی روایت کو تحفظ دینے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے تھے اور بہ قول عسکری صاحب دارالعلوم دیوبند کا قیام بھی اسی دینی روایت کے تحفظ کی ایک شکل تھا۔[۲۴] اس کے باوجود مجموعی طور پر انگریزی مرعوبیت اپنا اثر و رسوخ برابر بڑھائے چلی جا رہی تھی۔ ہمارے ادیب بھی اسی طرف کھنچتے چلے جاتے تھے۔ ان ہی حالات میں عسکری نے افسانے لکھے اور جو تکنیک استعمال کی وہ بھی الگ تھلگ اور ہیئت کے تجربے کے پردے میں وہ یقیناً ایک معنویت تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ یہ اقتباس خاصا قابل مطالعہ ہے:

> "عسکری صاحب کے ہاں کہانی کی نئی ہیئتوں کی تلاش دراصل زندگی کی نئی معنویت دریافت کرنے کا ایک عمل ہے۔ مروجہ ہیئتوں سے انحراف، جو خالصاً انگریزی ذہنیت کی ترجمان

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

تھیں، بنیادی طور پر اس فکری اور علمی روح سے بغاوت کی ہی ایک شکل ہے جو اپنے وسیع تر آفاق میں بعد میں ظاہر ہوئی اور اس نے ہمارے روحانی سفر کے راستے کو کافی حد تک تبدیل کیا۔۔۔ نئی ہیئت کی تلاش میں عسکری صاحب نے فرانسیسی ادب سے گہرا رابطہ قائم کیا تو کیوں؟ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہمیں دو تاریخی حقیقتوں کو نظر میں رکھنا پڑے گا۔ ایک تو یہ کہ قرونِ وُسطیٰ کے خاتمے کے ساتھ ہی ساتھ فرانسیسی اثرات انگریزی ادب سے نکال پھینکے جا چکے تھے۔۔۔ لہٰذا ان کی زندگی کے رویے بنیادی طور پر فرانسیسیوں سے بالکل متضاد سمت میں اپنی تشکیل کر رہے تھے۔۔۔ لہٰذا انگریزی فکر کا کوئی توڑ ممکن ہو سکتا تھا تو فرانسیسی روایت تھی۔ جو ایک طرف تو مشرقی روایتوں سے انگریزی کی نسبت زیادہ مضبوط طور پر منسلک تھی، دوسری طرف اس پر مادیت پرستانہ نقطہ نظر کی گرفت اتنی زیادہ مضبوط نہ تھی جتنی انگریزی پر۔"(۲۵)

حوالہ جات

۱۔ ابن الحسن، عزیز، محمد حسن عسکری "شخصیت اور فن" اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۷، ص ۱۳

۲۔ محمد حسن عسکری، آدمی اور انسان، مشمولہ: مجموعہ محمد حسن عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء ص ۷۴۴

۳۔ جمال پانی پتی، سلیم احمد کا تشخص، مشمولہ: مضامین سلیم احمد، مرتب، جمال پانی پتی، اکادمی ادبیات، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۔۱۳

۴۔ رضی حیدر، خواجہ، سلیم احمد: مشاہدے، مطالعے اور تاثرات کی روشنی میں، کتاب محل، اشاعت دوم ۲۰۱۷ء، ص ۴۴

۵۔ سلیم احمد، غالب کون، مطبوعات المشرق، کراچی، ۱۹۷۱ء ص ۶

۶۔ سلیم احمد، محمد حسن عسکری (آدمی یا انسان)، مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۸۲ء ص ۲۳

۷۔ سلیم احمد، غزل مفلر اور ہندوستان، مشمولہ مضمین سلیم احمد، مرتب جمال پانی پتی، اکادمی ادبیات، کراچی، ۲۰۰۹ء ص ۹۱

۸۔ تحسین فراقی، سرورق: مضامین سلیم احمد،

۹۔ مظفر علی سید، محمد حسن عسکری: ستارہ یا بادبان، مشمولہ: تنقید کی آزادی، ص ۳۸

۱۰۔ ممتاز شیریں، ترقی پسند تحریک، مشمولہ: معیار، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۵۱

۱۱۔ ممتاز شیریں، سیاست ادیب اور ذہنی آزادی، مشمولہ: معیار، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۴۷

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

۱۲۔ نغمہ فراز، ممتاز شیریں شخصیت اور فن، غیر مطبوعہ (مقالہ برائے ایم اے اردو، بہاوالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، زیر نگرانی ڈاکٹر انوار احمد)، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۵

۱۳۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان، سجاد باقر رضوی پر گفتگو، تقریب منعقدہ پاک ٹی ہاؤس ۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء، مطبوعہ ماہنامہ سیلاب لاہور، مارچ ۱۹۹۲ء ص ۲۳, ۲۴

۱۴۔ ڈاکٹر عارف ثاقب، سجاد باقر رضوی کی ادبی خدمات، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۱۴۵

۱۵۔ سجاد باقر رضوی، عسکری صاحب، مشمولہ: معروضات، پولیمر پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۲۶

۱۶۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، عسکری صاحب کی "جھلکیاں"، مشمولہ: محمد حسن عسکری ایک عہد آفریں نقاد، مرتبہ اشتیاق احمد، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۵ء ص ۹۹

۱۷۔ شمیم احمد، ترکش مارا خدنگ آخرین - محمد حسن عسکری مشمولہ: زاویہ نظر، روبی پبلشرز، کوئٹہ، ۱۹۸۷ء ص ۲۷۲، ۲۷۳

۱۸۔ شمیم احمد، کچھ عسکری صاحب کے بارے میں، مشمولہ: زاویہ نظر، ص ۵۳

۱۹۔ ایضاً ص ۵۵،۵۶

۲۰۔ افشین رشید، جمال پانی پتی: فن اور شخصیت، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۸ء ص ۲۵

۲۱۔ جمال پانی پتی، مجموعہ جمال پانی پتی، مرتبہ: محمد سہیل عمر، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۸ء ص ۴۴۵

۲۲۔ مبین مرزا، دینی تہذیب کا دانش ور، مشمولہ: مقالات سراج منیر، مرتب، محمد سہیل عمر، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۱۰ء ص ۱۸

۲۳۔ سراج منیر، محمد حسن عسکری۔۔۔ دینی روایت کا مفکر، مشمولہ مقالات سراج منیر، ص ۳۲۷

۲۴۔ ایضاً ص ۳۷۲

۲۵۔ ایضاً ص ۳۷۳